حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بسلسلۂ مشاہیر سرحد

حضرۃ مولانا میاں حکمت شاہ صاحب کاکاخیل رحمہ اللہ

۱۹۰۸ء ——————— ۱۹۷۸ء

قارئین کرام کو یاد ہوگا ۔ کہ احقر نے مشاہیر سرحد کے عنوان سے ایک سلسلہ "الحق" کے قارئین کی دلچسپی اور ایک تاریخ کی حفاظت کے لئے عرصہ سے شروع کیا ہے ۔ اس سے غرض صوبہ سرحد کے ان گمنام "مشاہیر" کا تذکرہ مقصود ہے جنہوں نے گوشۂ خمول میں وقت گزار کر علمی تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دینے کو ترجیح دی ۔ لیکن ان کی وفات کے ساتھ ہی ان کا تذکرہ بھی پس منظر میں چلا گیا ۔ کیونکہ انہوں نے اپنے بارے میں نہ خود لکھا اور نہ کسی کو کچھ بتایا ۔ اور یوں بعد میں آنے والی نسلیں ان کے نام اور کارہائے نمایاں سے بے خبر رہیں ۔ اسی جذبے کے تحت کہ صوبہ سرحد ایک مردم خیز اور انقلاب آفریں خطہ ہے اس کی گود اور آغوش شفقت میں کتنے اعاظم وجبال پھلے پھولے ۔ لیکن ہمارے عمومی مزاج بے اعتنائی کے سبب ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی ۔ اور یوں ایک جہاں "خاک گور تیرہ میں" فنا ہوا ۔

زیر نظر مضمون بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے لیکن میں اُسے اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کرونگا ۔ کہ موصوف نے اپنی خود نوشت سرگزشت انتہائی خوشخط انداز میں "احوال الفقیر وذکر المشاہیر" کے عنوان سے خود مرتب کی ہے ۔ اور اس میں ولادت سے لے کر ۱۹۴۵ء تک کے حالات درج ہیں ۔ اپنی دلچسپی اور نصائح وعبر سے بھرپور یہ آپ بیتی اس قابل ہے کہ اُس کو باقاعدہ کتابی شکل دی جاتی ۔ بندہ نے اس طویل آپ بیتی کی تلخیص کر کے اس کو مضمون کی شکل دی ہے ۔ یہ آپ بیتی بالکل سیف الدین سیفؔ کے اس شعر کی عملی تصویر اور کامل مصداق ہے ۔ کہ

ے جو سنائی انجمن میں شب غم کی آپ بیتی
کوئی رو کے مسکرائے کوئی مسکرا کے روئے

بندہ کی ملاقات آں مرحوم کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی ۔ جب آپ اپنی چند کتابوں کے سلسلہ میں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے ۔ بیماری کی وجہ سے آپ کی صحت انتہائی کمزور ہو چکی تھی ۔ اور بتایا کہ بندہ کو دمہ کی شکایت ہے اس کے دو اڑھائی سال بعد آپ انتقال کر گئے ۔ "چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں" ۔

تو لیجئے ۱۹۴۵ء تک کے حالات خود ان کی زبان سنیئے ۔

ولادت و سلسلہ نسب

احقر ماہ رمضان المبارک یوم چہار شنبہ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۸ء میں قصبہ زیارت کاکا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) میں پیدا ہوا ۔

سلسلہ نسب

محمد حکمت شاہ ولد زاہد گل ولد غیاث الدین ولد محمد شعیب معروف بعابیجاہ ولد محمد اولیاء ولد محمد انبیاء ولد عبدالشکور ولد محمد سید الدین ولد محمد قیاس الدین ولد حضرت شیخ ضیاء الدین ولد قطب الاقطاب حضرت شیخ قستیر گل المعروف بشیخ رحمکار و کاکا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

یہ سلسلہ نسب احقر نے اپنے جد امجد دمیا گل صاحب مرحوم کی کتابوں سے معلوم کیا ہے ۔

سلسلہ تعلیم و تربیت

پیدائش کے وقت سے پانچ سال کی عمر تک جب احقر کی جسمانی تربیت والدین نے فرمائی ۔ بعد میں نانا صاحب اریا گل مرحوم نے احقر کو سبق شروع کرنے کا انتظام فرمایا ۔ نانی صاحبہ اور نانا صاحب دونوں کی شفقت اور محنت کی وجہ سے قلیل عرصہ کے اندر احقر نے قرآن شریف کا کافی حصہ پڑھ لیا ۔ اس کے بعد چونکہ ہمارے قصبہ میں یہ دستور تھا کہ ختم قرآن مجید مسجد کے پیش امام کے پاس کرنا ضروری اور لازمی ہوا کرتا تھا ۔ لڑکوں کا معلمات کے پاس قرآن ختم کرنا غیر معتبر سمجھا جاتا تھا ۔ البتہ لڑکیوں کا ختم قرآن اور چند کتب بزبان افغانی معلمات ہی کے پاس پڑھی جاتی تھیں ۔ اس دستور مذکورہ بالا کے مطابق والد صاحب احقر کو مسجد سرایش کے امام محمد مؤحد صاحب مرحوم کے پاس لے آئے ان کے پاس احقر نے باقی حصہ قرآن مجید کا ختم کیا ۔

فارسی نظم کا شروع کرنا

ختم قرآن مجید کے بعد استاد صاحب موصوف نے احقر کو فارسی نظم کی کتاب کریما شروع کرائی ۔ اس وقت فارسی نظم کی ابتدائی کتابوں کو دیگر اساتذہ نظم بلا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے ، لیکن احقر کو اپنے اس شفیق استاد مرحوم نے مع ترجمہ کے پڑھائیں ۔ جب فارسی نظم کی ایک دو چھوٹی کتابیں احقر نے پڑھیں تو اس کے بعد والد صاحب نے احقر کو مدرسہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام زیارت کاکا صاحبؒ میں داخل فرمایا ۔ مدرسہ ہذا کے مدرسین نے احقر کو ابتدائی جماعت کے فریق اعلیٰ میں شامل کیا ، بعد ازاں بعض وجوہات کی بناء پر میں نے یہ مدرسہ چھوڑ دیا ، لیکن کچھ عرصہ بعد والد صاحب نے احقر کو دوبارہ مدرسہ ہذا میں داخل فرمایا ۔

وہاں اس وقت جناب میاں زعفران گل صاحب صدر مدرس تھے ۔ انہوں نے میرا امتحان لے کر جماعت دوم میں داخل فرمایا ۔ اس وقت مدرسہ کا دور اول ہی تھا اور مدرسہ ٹھان بان کے ساتھ چل رہا تھا ، اساتذہ سب بڑے لائق اور کامل تھے ، چنانچہ احقر نے داخل ہوتے ہی محنت شروع کر دی ۔

قلمی کتابیں لکھنا

اس وقت شوق سبق کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ میں مدرسہ کا کام تندہی سے کرتا اور گھر پر آ کر

گھر میں اپنا کاروبار لکھنے پڑھنے کا شروع کر دیتا۔ انہی دنوں میں ایک کتاب "ہمارے نبی" نام والی جو مدرسہ ہذا کی درسی کتاب تھی وہ بازاروں میں ختم ہوئی اور کسی کو میسر نہ ہوتی تھی۔ احقر نے اُس کو لکھنا شروع کیا اور ہم جماعت لڑکوں نے اُسے پسند کر کے شوق سے خریدنا شروع کیا۔ اس طرح چند نسخے لکھ کر بیچ دیئے جس کی وجہ سے خط پختہ ہو گیا۔ چند یوم بعد ہی سے، مدرسہ ہذا کے طلباء کے امتحان کے واسطے ممتحن بلائے گئے۔ جب ہماری جماعت سوم کے طلبہ کے امتحان کی باری آئی اور وہ حضرات ممتحنین ہماری تعلیمی کاروائی اور لیاقت پر کھنے لگے تو ان کو میری اور میرے دوسرے ساتھی کی کتابت پسند آئی۔ اور ہم دونوں کی کاپیاں لے کر اپنے ساتھیوں کو بتانے لگے یہ سب اسی کتب نویسی کی برکت تھی۔ دیگر مضامین میں میرے متوسط الفہم ہونے کی وجہ سے میرا کوئی امتیاز نہ تھا ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ باوجود کسی قدر غباوۃ رکھنے کے کسی امتحان میں فیل ہو جانے سے بہت ہی خوف لگا رہتا تھا اور خوب محنت و مشقت کیا کرتا تھا۔

جب مدرسہ نصرۃ الاسلام میں احقر نے تین سال گذارے اور پانچویں جماعت میں داخل ہو کر پڑھنا شروع کیا اس وقت مدرسہ کے تنزل کا آغاز ہوا تو مجھے اس سے بے رغبتی پیدا ہو گئی۔ چند روز کے بعد میں نے مدرسہ آنا چھوڑ دیا اور بیکار پھرنے لگا، اس پر والد صاحب کے چچازاد بھائی میاں غنیب گل صاحب مرحوم نے بار بار فرمایا تم مدرسہ جایا کرو اور پڑھائی نہ چھوڑو۔ مگر میرا جی اکتا گیا تھا، اس لئے میں نے اُن کا کہنا نہ مانا۔

عربی علوم کی طرف توجہ

آخر کار خداوند رحیم وکریم کے فضل وکرم سے حضرت مولانا میاں قیاس گل صاحب نے مجھ کو علوم عربیہ حاصل کرنے کی ترغیب دی اور مدرسہ رفیع الاسلام واقع یکہ توت پشاور جانے کا مشورہ دیا۔

مدرسہ رفیع الاسلام پشاور میں داخل ہونا

ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کا سال تھا کہ احقر طلب علم کے ارادے سے اپنے قصبہ کو چھوڑ کر پشاور روانہ ہوا۔ ظہر کے وقت احقر پشاور کے مدرسہ رفیع الاسلام پہنچا اور حضرت مہتمم صاحب صاحبزادہ فضل صمدانی سے، ملاقات ہوئی اور وہ یہ فرمانے لگے کہ تمہارے چہرے ہی سے طلب علم کا جذبہ ٹپک رہا ہے، تیرے داخل ہونے میں مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے، چنانچہ انہوں نے خود مجھے اپنے صدر مدرس مولانا ایوب شاہ صاحب کیمبلپوری کے پاس لے جا کر اُن کو میرے داخلہ کے متعلق ہدایت فرمائی۔ اس وقت وہاں صرف ونحو وغیرہ عربی کی کتابیں شروع نہیں ہوتی تھیں اور چھ ماہ بعد یہ کتابیں وہ خود شروع کرنے والے تھے۔ اس لئے ان چھ مہینے کا عرصہ مجھے وہاں پر حساب۔ جغرافیہ۔ اردو۔ خوشخطی میں صرف کرنا پڑا۔ ماہ شوال یا رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ میں عربی صرف ونحو کی کتابوں کا درس شروع ہوا۔ ابتداءً ہم چھ طلبہ درس میں شریک تھے۔

رسالہ الرفیع قلمی کا اجراء

مدرسہ رفیع الاسلام میں جب احقر کا دوسرا سال شروع ہونے لگا تو دارالعلوم دیوبند سے غازی حامد الانصاری پشاور آئے اور یہاں ایک روز قیام کر کے کابل میں اپنے والد کے پاس جا رہے تھے۔ مہتمم صاحب نے ان کے پاس طلبہ دارالعلوم دیوبند کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی رسالہ "بہار باغ" دیکھا جس پر انہوں نے ہم سب شرکاء جماعت سے فرمایا کہ اگر تم بھی کوشش و محنت سے کر ایک قلمی رسالہ جاری کر دو تو بہت اچھا ہوگا۔ اس پر ہم سب نے ان کی یہ ہدائت مان کر اُن کے اس مقصد کو پورا کرنے کا تہہ دل سے اظہار کیا۔ انہوں نے رسالہ کی تحریر کا کام احقر پر اور نقشہ مدرسہ کھینچنے کا کام ثناء الدین پر اور سرورق کا کام صدر مدرس صاحب پر ڈالا۔ انہوں نے کسی وقت مجھے دیکھا تھا کہ میں ایک اردو رسالہ مسمّٰی بہ رسالہ الدُّرر لکھ رہا تھا۔ دراصل وہاں بھی جا کر فارغ اوقات میں احقر تحریر وغیرہ کا کام اپنے شوق سے کرنے لگا تھا وہاں میں نے رسالۃ الدُّرَر، ہدایۃ المومنین، فرہنگ اردو کی چوتھی کتاب، ضرورت المسلمین افغانی اور تحفۃ الاطفال وغیرہ کتابیں لکھی تھیں۔ تحفۂ ثانیہ نام کی ایک کتاب مولانا قیاس گل صاحب کو زیارت کا کا صاحب بھیجی تھی۔ ان سب چیزوں کو دیکھ کر مہتمم صاحب نے یہ تحریر کا کام مجھے سپرد کیا۔ اس رسالہ کو ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک تیار کر کے مدرسہ رفیع الاسلام کے دارالاخبار میں پہنچا دیتا۔ ممبران یعنی معاونین مدرسہ ہذا آکر اس کو مطالعہ کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ اس رسالہ کے لئے میں نے مدرسہ کے اندر باقاعدہ ایک دفتر معین کیا تھا اور وہاں بیٹھ کر اس کے واسطے مضامین لکھتا اور اس میں درج کرتا تھا۔

مدرسہ تعلیم الحق دہ بہادر

انہی دنوں جب کہ میں، زیارت میں شرح جامی کے آخری اسباق پڑھ رہا تھا جناب مولانا مولوی محمد عبدالحق نافع صاحب نے مجھے دارالعلوم دیوبند جانے کا بہترین مشورہ دیا اور مولانا قیاس گل صاحب مدظلہ، نے ان کے اس مشورے کی تائید فرمائی اور ساتھ ہی مولانا محمد عبدالحق نافع صاحب نے کسی ملاقات میں اپنے بڑے بھائی مولانا مولوی محمد عزیز گل صاحب کو میری سفارش فرمائی کہ ایک طالب علم مسمّٰی حکمت شاہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے آئے گا، اس کے داخلہ میں سہولت کی کوشش فرماویں چنانچہ احقر مورخہ ۴ شوال المکرم ۱۳۴۷ھ دیوبند روانہ ہوا اور مورخہ پانچ شوال المکرم کو وہاں پہنچ کر سہولت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ شرح جامی تمام کنز الدقائق، نفحۃ الیمن اور قطبی میں حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم کے پاس امتحان دیا، اور پاس ہو کر وظیفہ حاصل کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

احقر نے اس سال دارالعلوم میں اصول الشاشی۔ میر قطبی و مختصر المعانی، شرح وقایہ اور مقامات حریری پڑھیں۔ مقامات، شرح وقایہ اور میر قطبی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس پڑھیں۔ اصول شاشی مولانا سعید احمد صاحب گنگوہی کے پاس اور مختصر المعانی مولانا عبدالسمیع صاحب کے ہاں۔

اس سال میں نے بہت جانفشانی اور محنت کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔مقامات حریری میں زیادہ دلچسپی ی اس کی تقریر لکھتا اور یاد کرتا۔ یعنی اس کے متعلق جو فوائد بھی استاد موصوف سے سنتا، ان کو لکھ کر یاد کیا کرتا تھا۔ ں تک کہ افغانی ہم سبقوں میں مقامات کے معلومات میں احقر قابل مشہور ہوا۔

سال دوم از شوال ۱۳۴۸ھ تا شعبان ۱۳۴۹ھ

اس سال احقر نے دارالعلوم پہنچ کر ہدایہ اولین ۔ دیوان متنبی ۔ نور الانوار میبنذی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاس شروع کیں ۔ بعد میں میبنذی انا محمد ابراہیم صاحب کے پاس بھی پڑھی کیونکہ وہ معقولی استادوں میں سے تھے۔اس سال اسباق کے اختتام پر سب رفقاء اپنے اپنے وطن چلے گئے اور میں نے بھول کر بھی وطن کا نام نہیں لیا۔ قت میں جامع مسجد کے شرقی حجروں میں سے ایک حجرہ میں رہتا تھا۔تنہائی تھی۔کسی تقریر کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔

تقریر مقامات حریری یا کتاب حکمۃ الادب

اس دوسرے سال میں حضرت شیخ الادب مولانا مولوی محمد اعزاز علی صاحب مقامات حریری پڑھا چکے تھے اور طلبہ نے بہت پابندی اور ضبط کے ساتھ ان کی تقریر لکھی تھی ،خصوصاً میرے دوست مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ہزاروی نے اس سلسلے میں بہت کوشش کی تھی۔میں نے اُن سے مقامات کے متعلق سارے افادات کر ان کو لکھنا شروع کیا۔مزید احتیاط کے لئے ایک دو کاپیاں اور طلبہ سے لے کر ساتھ رکھ لیں۔نصف شعبان ۱۳۴۹ھ سے ۲۳ شوال تک تقریباً دو ماہ کے عرصہ میں تقریر نہایت اچھی شکل میں جمع ہوگئی اور حکمۃ الادب کے نام سے مسمّٰی کردی گئی۔اس کی اتنی شہرت ہوگئی کہ اکثر طالب علم اس کو مانگنے لگے اور میں نے اس کے دینے کے بارے میں کوئی بخل نہیں کیا۔مگر میرے وطنی ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اپنے پاس دبالی۔جس کی وجہ سے مجھے بہت صدمہ ہوا۔اور اس کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی۔ایک روز اس سلسلے میں حضرت مولانا میاں غر حسین صاحب مرحوم کے پاس گیا اور یہ ماجرا انہیں سنا کر اُن سے اس کی دستیابی کے لئے عمل دریافت کیا۔ وں نے فرمایا کہ چالیس روز تک روزانہ یا مُعِیْدُ دو سو دفعہ پڑھ لیا کرو۔چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ان دنوں تو یہ ریر نہیں ملی۔لیکن چار سال بعد زیارت کاکا صاحب (احقر کا آبائی وطن) کے گھروں میں سے کسی گھر سے دستیاب ہوئی۔فالحمد للہ علی ذالک۔

سہ تقسیم انعام

اس سال (یعنی ۱۳۵۰ھ میں) ماہ جمادی الاخریٰ کی بیس۲ تاریخ کو دارالعلوم کا جلسہ تقسیم انعام منعقد ہوا۔اور طلبہ دارالعلوم کو انعام میں مختلف قسم کی کتابیں ملیں۔احقر کو بھی اپنی کامیابی ے صلہ میں میر قطبی۔تحفہ لحمیہ تین کتابیں ملیں۔افسوس اس کے بعد میرے تمام سالوں میں پھر کبھی جلسہ تقسیم انعام

منعقد نہیں ہوا۔ ورنہ خدا جانے کتنی کتابیں ہاتھ آجاتیں۔ اب سنا ہے کہ چند سالوں سے باقاعدہ انعامی جلسے ہونے لگے ہیں اور طلبہ کو ہر سال انعام میں کتابیں ملتی ہیں۔

دارالعلوم میں سال سوم کا آغاز ۱۳۴۹-۵۰ھ ۱۹۳۰-۳۱ء

جب تیسرا سال شروع ہوا تو احقر نے پڑھنے کے لئے دیوان حماسہ۔ ملا حسن اور تفسیر جلالین لکھوائیں۔ ملا حسن وجلالین حضرت مولانا نبیہ الحسن صاحب مرحوم کے پاس پڑھنے لگا اور دیوان حماسہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس کچھ مدت تک پڑھتا رہا۔ بعد میں یہ کتاب ان سے منتقل ہو کر شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب کے پاس آئی تو ان کے پاس اسے ختم کیا۔

مولانا نبیہ الحسن صاحب شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور مجذوب عالم تھے۔ نماز میں تلاوت قرآن کی وجہ سے کبھی کبھی ان پر جذبہ آیا کرتا تھا۔ رمضان ۱۳۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔ رحمہ اللہ۔

چوتھا سال ۱۳۵۰-۵۱ھ

چوتھے سال میں احقر نے پڑھنے کے لئے تلویح توضیح صدرا۔ حمد اللہ لکھوائیں اور یہ تین کتابیں شیخ المعقول مولانا محمد ابراہیم صاحب کے پاس شروع ہوئیں ان کے علاوہ میر زاہد امور عامہ مولانا مولوی رسول خان صاحب ہزاروی جامع المعقول والمنقول کے پاس پڑھی۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے تیسرے سال میں میر زاہد مع غلام یحییٰ حاشیہ میر زاہد وغیرہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کے پاس پڑھ چکا تھا۔ مولانا گل محمد صاحب مرحوم سے میراث کی کتاب سراجی پڑھی۔

بیعت اولیٰ

اس چوتھے سال میں حضرت مولانا عبدالمالک صاحب مظفر گڑھی۔ بہاولپوری چند یوم کے لئے دارالعلوم تشریف لائے۔ اور طلبہ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرنا شروع کیا آپ کے ساتھ اپنے وطن کے مریدین بھی رہا کرتے تھے۔ ہر فرض نماز کے بعد آپ مع اپنے مریدین کے ایک جگہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ طریقہ نقشبندیہ کے مطابق اپنے مریدوں پر توجہ ڈالا کرتے تھے جس کا ظاہری اثر بہت جلد پڑتا۔ میں نے جو حالات دیکھے تو شوق ہوا کہ میں بھی ان سے بیعت کروں، چنانچہ انہی دنوں مولانا عبدالمالک صاحب سے بیعت ہوا، انہوں نے شروع میں مجھے لطیفہ قلب میں سبق دیا۔ اس کے بعد میں کچھ ان کے حلقہ میں بیٹھ کر مراقبہ کیا کرتا۔

حاشیہ سلم العلوم (ضیاء النجوم)

اسی سال مولانا محمد ابراہیم صاحب نے سلم العلوم پر حاشیہ شروع کیا۔ اور مجھے بھی اس کام میں لگا لیا۔ آپ متفرق کتابوں کی عبارتوں پر نشان لگا کر میرے حوالے فرماتے۔ پھر میں ان نشان شدہ عبارات کو ایک کاپی میں جمع کرتا اور کاتب کے حوالے کر دیتا اس طرح چند دنوں میں یہ حاشیہ بحث تصورات تک پہنچ گیا۔ پھر کاتب کی کتابت کی تصحیح کرتا۔ اس کام سے

احقر کو کسی قدر تجربہ حاصل ہوا کہ تصنیف و تالیف کا کام کیسے کیا جاتا ہے۔

سال پنجم ۱۳۵۱-۵۲ھ چوتھے سال کے اختتام پر جب تعطیلات شروع ہوئیں تو احقر دہلی چلا گیا اور وہاں نئی مسجد قراء الباغ میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب برادر زادہ مولانا سیف الرحمان صاحب مہاجر کابل کے پاس ٹھہرا۔ نصف شعبان اور کل رمضان انہی کے پاس گذارا۔ پھر شوال میں آکر دارالعلوم میں قدیم طلبہ کی طرح داخلہ لیا۔ میر زاہد۔ امور عامہ۔ قاضی مبارک اور تصریح یہ کتابیں پڑھنے کے لئے ہیں۔ میر زاہد امور عامہ مولانا محمد رسول خان صاحب کے پاس شروع ہوئیں۔ قاضی مبارک مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (بہاری) کے ہاں شروع ہوئی۔ اسی سال شرح عقائد نسفی بھی لکھوائی تھی۔ تکملہ اور تصریح ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ان کے واسطے مدرس زیر غور تھا۔ مولانا نبیہ حسن صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد کسی مدرس کا تقرر نہیں ہوا تھا

سال ششم ۱۳۵۲-۵۳ھ اس سال احقر نے مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین اور شرح نخبۃ الفکر تین کتابیں پڑھنے کے لئے لکھوائیں۔ مشکوٰۃ اور شرح نخبۃ الفکر مولانا عبدالسمیع صاحب کے پاس اور ہدایہ اخیرین مولانا اعزاز علی صاحب کے پاس شروع کیں اور بیضاوی شریف خارج میں چند طلبہ کے ساتھ مولانا محمد رسول خان صاحب کے پاس مسجد قلعہ میں پڑھنا شروع کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کا عام دستور یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں پڑھتے وقت استادوں کی تقریریں قلم بند کرکے امتحانات میں اُن سے کام لیا کرتے ہیں اور بعض ایسا کرتے ہیں کہ پہلے سال جنہوں نے تقریر لکھی ہو اُن میں کسی سے تقریر لے لیتے ہیں۔ میں نے بھی ایک پشاوری طالب علم سے لکھی ہوئی تقریر لے کر اس سال لکھنا شروع کیا اور اس سال کے اواخر میں ختم کرکے "فوائد الثقات فی مطالب المشکوٰۃ" نام رکھا۔

تھانہ بھون کا اوّل سفر اس سال ششم میں چونکہ احقر نے علم حدیث شروع کیا تھا اور لازمی امر ہے کہ حدیث پڑھنے میں انسان کی کسی قدر اصلاح ضرور ہو جاتی ہے۔ میں نے کاکاخیل برادر مولوی سیاح الدین صاحب کے ساتھ مشورہ کرکے تھانہ بھون جانے کا ارادہ کیا، جہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تشریف رکھتے تھے۔ اُن کی خدمت میں حاضری کے لئے دل بے تاب ہونے لگا تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر یعنی ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر بمع مولوی سیاح الدین و مولوی حبیب اللہ (ساکن چار باغ لوٹی کوتل) صاحبان دیوبند سے تھانہ بھون روانہ ہوا۔ راستے میں نبیٹر نامی ایک گاؤں تھا جہاں زبردست ندی تھی۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی تیرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اس لئے بڑی گھبراہٹ ہوئی مگر اس کو عبور کرنا ہی تھا، اس لئے ڈرتے ڈرتے پانی میں داخل ہوا اور اللہ کے فضل سے خیریت و عافیت سے ندی کو عبور کیا۔ وہاں سے نکل کر ٹھیک عشاء کے وقت موضع قیام پور میں پہنچے اور رات کو وہیں قیام کیا۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے سادہ رنگ میں کافی

خاطر تواضع کی ۔ صبح وہاں سے روانہ ہوئے اور کوئی ۹ بجے کے قریب تھانہ بھون پہنچے وہاں پہنچتے ہی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اپنے قاعدے اور دستور کے مطابق انہوں نے ہم تینوں سے فرمایا کہ کب تک قیام رہے گا؟ ہم نے عرض کیا کہ تین روز تک ۔ ان تین دنوں میں ہم آپ کی تمام مجالس میں شریک ہوتے رہے اور عجیب وغریب باتیں اور شیریں وبہترین کلام سے مستفید ہوتے رہے ۔ میں نے دعا کے لیے درخواست لکھ کر اُن کے ممبر پر رکھ دی تھی جس پر انہوں نے تحریر فرمایا کہ دل سے دعا کرتا ہوں ۔ وہاں پر ان دنوں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت کے دیگر خلفاء بھی موجود تھے جو بہت خاموشی کے ساتھ حضرت کی باتیں سنا کرتے ۔ آپ ظہر کی نماز کے بعد اپنے جنوبی برآمدہ میں تشریف رکھ کر عوام وخواص سب کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیا کرتے تھے اور صبح کا خواص کی مجلس کے لئے مقرر تھا ۔

تھانہ بھون کا سفر دوم

سال ہفتم کے آغاز میں پھر برادرم مولوی سیاح الدین کو لے کر سہارنپور چلا گیا یہ عید الضحیٰ کے دن تھے ایک دن سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں سرحدی طلبہ کے پاس گذارا ۔ رات کو گاڑی پر سوار ہو کر دس بجے تھانہ بھون پہنچا ۔ رات وہاں کی ایک مسجد میں گذار کر صبح حضرت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کیا ۔ اور حسب دستور سابق ہمارے قیام کے متعلق دریافت فرمایا ۔ ہم نے کہا کہ دو دن تک قیام رہے گا اس دفعہ ایک بڑی خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی کہ جمعہ کی نماز کے بعد آپ نے اعلان کرایا کہ آپ کے چھوٹے گھر میں آپ کی تقریر ہوگی (حضرت مولانا تھانوی رح کی) چنانچہ سب حاضرین خانقاہ اور دیگر مقامی لوگوں کے ساتھ ہم دونوں حضرت مولانا موصوف کے گھر چلے گئے ۔ وہاں پردہ کا انتظام ہوا تھا ۔ گھر کے لوگ پردے میں بیٹھے رہے اور تقریر سننے والے باہر گھر کے صحن شریف میں بیٹھ گئے ۔ اور حضرت مولانا نے کرسی پر تشریف رکھ کر تقریر شروع کی اور حدیث اذا کان نصف شعبان سے وللہ عتقاء من النار تک پڑھ کر حریت پر بسط وتفصیل کے ساتھ تقریر فرمائی ۔ ایک کتاب ساتھ لئے ہوئے تھے جس میں سے علامہ قشیری رح کے اقوال نقل فرماتے تھے ۔ تقریر کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک جاری رہی اختتام کے بعد سب مجمع کے ساتھ گھر سے نکل کر خانقاہ تشریف لے جانے لگے ۔

اختتام سال ہفتم

یہ سال بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت عجیب وغریب گذرا ۔ اور اس میں بہت سے واقعات وحوادث آتے رہے ۔ درد گردہ کی بیماری گذاری ۔ انقلاب دارالعلوم دیکھا انقلاب میں شہر دیوبند کے باشندوں کی طرف سے طلبہ پر قسما قسم حملے دیکھے ۔ خیر خواہان کی طرف سے مزاحمتیں برداشت کیں مطبخ ، بند ہونے کا اعلان بھی دیکھا اس اعلان کا منسوخ ہونا بھی دیکھا ۔ سب کچھ دیکھا ۔ انہی واقعات کے اندر سالانہ امتحان آیا اس سے فراغت بھی حاصل کی اور ان تمام واقعات کے ساتھ یہ سال ختم ہوا ۔ اس کے بعد ایک اہم واقعہ جو اس سال واقع ہوا تھا ۔ اس کو ابھی ذکر نہیں کیا ۔ اسے بھی ذکر کرتا ہے ۔ اس کے بعد پچھلے سالوں کے متعلق کچھ باتیں رہ گئی ہیں ان کو بھی

ذکر کرکے دیوبند میں احقر کی زندگی کے حالات اور طالب علمی کے احوال ختم ہو کر باقی احوال شروع ہو جائیں گے۔

انجمن اصلاح الکلام

سال ۱۳۵۲ھ ۔ ۳۳ء کے دوران میں مجھے اور میرے رفقاء وطن کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم جتنے بھی لائق ہو جائیں جب تک ہم میں تقریر کرنے کا مادہ نہ ہو اس وقت تک ہم قوم کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اسلئے کام کو سیکھنے کیلئے کوئی تدبیر سوچنا چاہیئے اور وہ یہی ہو سکتی ہے کہ ہم ہفتے میں کسی وقت مل کر تقریر کیا کریں اس سے ہمارے اندر تقریر کرنے کا ملکہ اور استعداد پیدا ہو جائے گا، چنانچہ ہم سب نے مل کر ایک انجمن بنائی اس کا نام اصلاح الکلام رکھا ہر جمعہ کی رات کو کہیں جمع ہو کر مختلف موضوعات پر تقریریں کیا کرتے تھے اس انجمن میں ضلع پشاور کے کل طلبہ اور دیگر اضلاع کے بعض طلبہ بھی شامل تھے اور ہمارے ساتھ مل کر اس انجمن کی غرض و غایت کو سمجھ کر آخیر تک کام کرتے رہے۔

صدارۃ جمعیۃ افاغنہ

جب انجمن اصلاح الکلام میں ہم نے کچھ مدت تک کام کیا اور ملکہ تقریر کافی پیدا ہوگیا تو اسکے بعد اس کو توسیع دے کر کابل کے افغانی، سوات، دیر، باجوڑ، بنیر، ہزارہ کے طلبہ بھی اس میں شامل کرکے اس کا نام جمعیۃ افاغنہ رکھا۔ پہلے اس کے صدر حکیم مولانا سید الابرار صاحب ساکن موضع نظر تھے ان کے زیر صدارت اس جمعیۃ کے ارکان نے بڑے بڑے کام کیے۔ دہلی میں سواتی و پشاور طلبہ کی آپس میں خونریزی جاری ہوگئی تھی۔ اس جمعیۃ کے تین ارکان نے جا کر ان دونوں فریقین کو آپس میں ایک دوسرے سے راضی کیا اور وہ شہر و شکر بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔ دیگر بھی اچھے اچھے کام کیے۔ ان کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شیخ عبدالرزاق مرحوم صدر ہوگئے ان کے بعد مولوی عبدالحق اکوڑوی صاحب ہوگئے، ان کے بعد ۱۳۵۳ھ ۱۳۵۴ھ میں احقر کو صدارت پر مجبور کیا گیا۔

فراغت دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۴ھ ۳۵ء

جب امتحان سالانہ ہو چکا، سب ساتھی وطن کو چلے گئے۔ میرے پاس ابھی وطن سے زادراہ نہیں آیا تھا، اس لئے میں ۷، رمضان المبارک تک دیوبند میں پڑا رہا۔ گھر جانے کا بہت شوق تھا۔ مگر جلدی نہ آسکا کچھ دنوں تک صبر کرتا رہا جب ۷، رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ بمطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۳۵ء کو زادراہ پہنچا تو معہ تمام اراکین جمعیۃ افغان و تمام باشندگان زیارت کا کا صاحب دیوبند کے سٹیشن پہنچا۔ اور ریل گاڑی میں بیٹھ کر وطن روانہ ہوا۔ دوسرے دن شام کے وقت صحیح سلامت گھر کو پہنچا اور میرے فارغ ہو کر آنے پر والد صاحب اور دیگر خویش و اقارب سب خوش ہوگئے۔

دستاربندی

دوسرے جمعہ کو والد صاحب نے حضرت مولانا عبدالحق نافع صاحب اور قصبہ زیارت کے دیگر احباء و اعزہ اور علمائے کرام کو دعوت دے کر محلے کی مسجد سرخ میں مجلس دستار بندی منعقد فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلے تو مولانا گلاب صاحب نے تقریر فرمائی پھر جناب قاضی عصمت اللہ صاحب نے کچھ تقریر بیان کی بعد ازیں مولانا محمد موحد صاحب چونکہ عمر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے انہوں نے مجھے پگڑی باندھنا شروع کی۔ ان کے بعد قاضی صاحب آئے اور ان کے بعد مولانا محمد نافع صاحب اور دیگر معزز حضرات نے پگڑی باندھنے میں حصہ لیا اسکے بعد دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

خودِ انحصاری کی طرف ایک اور قدم

نیلم گلاس

رنگین شیشہ (Tinted Glass)

باہر سے منگانے کی ضرورت نہیں۔

چینی ماہرین کی نگرانی میں اب ہم نے رنگین عمارتی شیشہ (Tinted Glass) بنانا شروع کر دیا ہے۔

دیدہ زیب اور دھوپ سے بچانے والا **نیلم** کا (Tinted Glass)

نیلم گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ

ورکس، شاہراہِ پاکستان حسن ابدال۔ فون: 563998 - 509 (05772)

فیکٹری آفس: ۲۸۴-بی راجہ اکرم روڈ، راولپنڈی فون: 568998 - 564998

رجسٹرڈ آفس، ۱۷-جی گلبرگ II، لاہور فون: 878640-871417